ڈاکٹر شبیر احمد قادری

اُردو تذکروں میں تحقیقی اشارات

اُردو شعرائے کرام کے تذکروں میں زبان و بیان اور اصناف نظم اور نقد و نظر کا ایسا تنوع پایا جاتا ہے جو اُردو کی قدیم کتب میں بالعموم دیکھنے میں نہیں آتا۔ اُردو زبان و ادب کی دل کش اور مستحکم عمارت میں یہ تذکرے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ ہو یا تاریخ لسانیات، تحقیقِ سوانح ہو یا اصلاح سخن کی روایت ان تذکروں کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔ بعض تذکرہ نگار بھی نت نئے تجربے کرتے اور روش عام سے ہٹ کر چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ تجربات تذکرہ نگاری میں دل چسپی اور رنگارنگی کا ذریعہ ہیں۔

تذکرے، تذکرہ نگاروں کی ذاتی بیاضوں کی ترقی یافتہ صورت ہیں۔ یہ بیاضیں مختلف طریقوں سے تیار کیا جاتی تھیں۔ لہٰذا جب اُن بیاضوں نے تذکروں کی شکل اختیار کی تو ہم دیکھتے ہیں کہ تذکروں کے مندرجات میں اختلاف کی صورتیں رونما ہونا شروع ہوئیں چوں کہ قدیم دور میں باہمی روابط کے ذرائع اور وسائل قابل رشک نہ تھے۔ اس لیے تذکرہ نگاروں کو بالعموم شعرا سے اپنے ذاتی مراسم مراختوں (مشاعروں) وغیرہ پر انحصار کرنا پڑتا۔ بعض دقیقہ سنجان روزگار کے ہاں شعرا کی بیاضوں، مطبوعات، مراسلت اور ماقبل مصنفین کے تذکروں سے بلاواسطہ یا بالواسطہ استفادہ کا رجحان بھی ملتا ہے۔

تحقیق میں تلاش، تفحص اور مواد کی جمع آوری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ شعرا کے کوائف مثلاً ان کے اسما، ولدیت، علاقائی نسبت، سلسلۂ تلمذ، تاریخ ولادت و وصال، خاص طور پر اشعار کا انتخاب تذکرہ نگاروں کی خصوصی توجہ کا مرکز قرار پائے۔ اس ضمن میں انھیں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ان کا بیان مقدموں میں بھی ملتا ہے۔ تذکروں کا لسانی، تنقیدی، سوانحی اور تحقیقی حوالوں سے مطالعہ وقت کی اہم ضرورت قرار پاتا ہے۔ اس لیے تذکروں کی تحقیقی جہات کی نشاندہی ضروری ہے۔ یہ بات بہر حال پیش نظر رہنی چاہیے کہ تذکرہ نگار باقاعدہ محقق نہیں تھے، تذکروں سے تحقیقی مواد کی تلاش زبردستی کا ہرگز نہیں بلکہ غیاب الغایات یہ ہے کہ ان پہلوؤں کا سراغ لگایا جا سکے تذکرہ نگاروں کے ہاں ''کاتا اور لے دوڑی'' والا سلسلہ نہیں پایا جاتا بلکہ وہ محنت کے نتیجے میں شعرا اور ان کی خدمات کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر کے انھیں مختصر مگر جامع انداز میں بیان کرنے کی شعوری کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں اور یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ

جامعیت مصنف کی خامی نہیں بلکہ خوبی کہلاتی ہے۔ تحقیق اگر حقیقت کی دریافت کا نام ہے تو بعض اُردو تذکرہ نگاروں کے ہاں یہ وصف موجود ہے، انھوں نے ماقبل تذکرہ نگاروں کی بعض آرا کو دلیل کی بنیاد پر غلط بھی ثابت کیا ہے۔حقائق بیان ہی نہیں کیے بیان کردہ حقائق کو بہ نظرِ تحقیق پرکھا بھی ہے۔

قائم چاند پوری کے ہاں تلاش وتفحص اور ماخذ کی نشان دہی کی یہ مثالیں دیکھیے:

''محقق تخلص شخصی است کی بندہ از حوالش خبر ندارم این یک شعر بنام او بر پشت بیاض کہنہ کہ از ملکیت ابوطالب مرقوم بود۔۔۔''[۱]

میر عبداللہ تجرد کے حالات قائم کو معلوم نہ تھے۔''مخزن'' نکات (مرقومہ: ۱۷۵۲) میں ان کے بارے میں جو معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں وہ میر عبدالولی کی زبان سماعت کیں۔ وہ ان معلومات کو جزوِ تذکرہ بناتے ہوئے (قائم) اس کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''ا۔۔۔بندہ حوالش خبر نہ دارم: زبانی میر عبدالولی کہ احوالش گزشت معلوم شود کہ شاگرد من است''[۲]

''میر میران نیز شاعر دکھن است، ایں دو شعر بنام او در بیاض میر عبدالولی مسطور نوشتہ یافتم۔۔۔''[۳]

یعنی کوائف واشعار کی فراہمی میں ذاتی کوششوں کے ساتھ ساتھ دوست احباب اور تلامذہ کا تعاون بھی حاصل رہا اور قائم اس امر کا خوش دلی کے ساتھ اعتراف بھی کرتے ہیں مثلاً رائے سنگھ عاقل عرف بیاجیو کے حوالے سے قائم چاند پوری کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

''چوں فقیر قصد نوشتن ایں بیاض کرد فراہم اور دن اشعار مردم کوشش بلیغ بکار برد، شاید کہ اگر از اعانت ایں بزرگ نمی بود، سرانجام ایں کار ایں کار از ہچومن بے دماغ صورت نہ می بست۔۔۔''[۴]

تذکرہ نگاروں کی درخواست پر شعرا خود بھی اپنے اشعار کا انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔ اس کی ایک مثال قدرت اللہ شوق کے تذکرہ طبقات الشعرا (مرقومہ: ۱۷۷۴) سے پیش ہے۔ شوق نے اپنے تذکرے میں میر تقی میر کے جو اشعار درج کیے ہیں ان میں سے بیش تر میر تقی میر نے خود لکھ کر قدرت اللہ شوق کو بھیجے تھے اس کا ذکر نثار احمد فاروقی نے حاشیے میں کیا ہے۔[۵] قدرت اللہ شوق نے فضل علی ممتاز[۶]، عنایت اللہ مشتاق[۷]، قدرت اللہ بلیغ[۸]، امان اللہ نثار[۹]، محمد انور الدین انور[۱۰] اور دوسرے شعرا کے اذکار میں ان کے مسودوں اور بیاضوں سے اخذ واکتساب کا حوالہ دیا ہے جو عہدِ حاضر میں تحقیق کا بنیادی اُصول ہے اور بعض شعرا کے حوالے سے یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے منتخبہ اشعار خود شعرا نے عطا کیے، مراد علی حیرت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''۔۔۔چند غزلیات متفرقات از راہ مہربانی کہ از دست خاص بایں راقم حروف نوشتہ دادہ بود۔۔۔''[۱۱]

جلیل شاہ سائل کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے اشعار ملاقات کر کے حاصل کیے:

''ایں چند غزلیات بعد ملاقات اُو مسودہ اش بہ قلم آوردہ شد۔''[۱۲]

تحقیق کی منزل کے راستے کٹھن، دشوار گزار اور ناہموار ہوتے ہیں۔ بعض اوقات مطلوبہ مواد کہیں دائیں بائیں موجود ہوتا ہے۔ مگر بوجوہ اس تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ ایک سچا محقق ہمت نہیں ہارتا، کوششیں جاری رکھتا ہے۔ برداشت اور صبر، محقق کے نمایاں اور بنیادی اوصاف ہیں۔ ابوالحسن امیر الدین احمد امر اللہ اپنے ''تذکرہ مسرت افزا'' (مرقومہ ۱۷۷۹ء) میں مطلوبہ مواد تک نارسائی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

''دوستوں سے معلوم ہوا کہ تذکرہ محافل الشعرا کے ضمن میں تذکرہ شعرا ریختہ بھی مرتب کر چکے ہیں اور اساتذہ کے منتخب اشعار اس میں مندرج ہیں اور حالات بھی نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ میں نے اس تذکرے کو دیکھنے کی ازحد خواہش ظاہر کی کہ جن شعرا کے حالات سے میں واقف نہیں ہوں، اُن سے باخبر ہوسکوں لیکن خدا معلوم ان کے دل میں کیا خطرہ محسوس ہوا کہ دینے سے انکار کر دیا۔[۱۳]

خیراتی لعل بے جگر نے اپنے 'تذکرہ بے جگر' (مرقومہ: ۱۸۲۶) میں شامل بیش تر شعرا کے سوانح درج کرتے وقت ماہ و سال کے حوالے دے کر ایک اور تحقیقی ضرورت کو پورا کرنے کی کاوش جمیلہ کی ہے۔ جب کہ سعادت خاں ناصر نے اپنے ''تذکرہ خوش معرکہ زیبا'' (مرقومہ: ۱۸۴۴ء) میں اپنے ماخذ کے حوالے دے کر بیان کردہ احوال کو پایہ استناد عطا کرنے کی سعی کی ہے۔ مرزا مغل سبقت، میر تقی میر کے ہاں گئے اور شعر سنانے کی فرمائش کی۔ میر کے انکار کا واقعہ مرزا مغل سبقت کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے، میر تقی میر کا ایک مشہور شعر ہے۔

کھلا نشہ میں جو پگڑی کا پیچ، اس کے میر
سمندِ ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

یہاں سعادت خاں ناصر نے اپنے اُستاد مرزا محمد حسن مذنب کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے یہ مقطع میر سے سن کر یہ شعر فارسی کا پڑھا:

ز فرط نشہ چو وا گشت طرہ بردستا
سمندِ ناز ترا تازیانہ دیگر شد

میر صاحب نے کہا ''یہ دل و دماغ اور فرصت و فراغ کسے ہے کہ اور کا کلام دیکھے۔'' مرزا قادر بخش صابر دہلوی اپنے ''تذکرہ گلستان سخن'' (دو جلدیں مرقومہ: ۱۸۵۴) کے محرکات بیان کرتے ہیں:

''ارباب شوق اور اصحاب ذوق پر واضح کرنا ہے کہ اثنائے مشق ریختہ گویاں پیشیں کا کلام کچھ جزو دانِ حافظہ میں فراہم ہوجاتا تھا اور کچھ گنجینۂ بیاض میں انتظام پاتا تھا۔۔۔ سخن سنجان عصر کا کلام بھی جو کہ طبیعت کو پسند آتا گیا اور جس قدر دل کو بھاتا گیا اجزائے علیحدہ میں مخزون اور بیاض میں مشحون

ہوتا رہا۔ ایک مدت کے بعد جو مجموعے پر نظر کی تو دفتر سرمایہ فراہم ہو گیا تھا اور بے کراں خزانہ مجتمع۔'' ۱۴؎

مرزا قادر بخش صابر دہلوی کے ''تذکرۂ گلستانِ سخن'' کے مطالعہ کے نتیجے میں یہ تاثر اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ انھوں نے جو سوانحی حالات اور اشعار منتخب کیے وہ شعرا سے ان کے ذاتی تعلقات کا ثمر ہیں۔ تحقیق میں کسی ادیب اور شاعر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر بڑی قدر و قیمت کی حامل ہوتی ہے۔ صابر دہلوی نے بھی بعض شاعروں سے مل کر ان کے اشعار انھیں کے ہاتھوں سے لکھوا کر تذکرے میں شامل کیے۔ اس نوع کی ایک مثال ملاحظہ ہو جس میں صابر دہلوی شاہ کلو ضیغم کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''۔۔۔ یہ دو شعر اپنے ہاتھ سے لکھ کر راقم آثم کو دیے تھے۔'' ۱۵؎ کسی دوسرے تذکرے یا کتاب سے استفادہ کیا تو اس کا ماخذ بھی بتا دیا ہے۔ صابر دہلوی، نواب عباس علی خاں بیتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اشعار اس خوش فکر کے راقم تذکرہ کو کچھ بہم نہ پہنچے، ناچار ''گلشن بے خار'' سے ایک تذکرہ ہے مصنفات نواب مصطفیٰ خان بہادر شیفتہ تخلص سے، یہ شعر ان اوراق میں نقل کیا ہے۔'' ۱۶؎

تذکرہ طبقات الشعرا (مرقومہ: ۱۸۴۶) کے مولف مولوی کریم الدین بھی ایک ایسا تذکرہ لکھنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں جس میں شاعر کے احوال و کوائف تحقیقی بنیاد پر جمع اور شائع کر کے اپنی یادگار صفحہ روزگار پر چھوڑ سکیں۔ یہاں محمد عبدالحیٔ صفا مولف تذکرہ شمیم سخن (مرقومہ: ۱۸۷۲ء) کی ایک رائے نقل کرتا ہوں تاکہ مواد کی جمع آوری اور اس سے متعلقات کی جانب ان کے رجحان کی ترجمانی ہو سکے۔ صفا رقم طراز ہیں:

> ''ابتدائے سنِ شعور سے مجھ کو تصنیف و تالیف کا شوق رہا ہے اور اکثر اوقات شعر گوئی کا بھی اتفاق ہوا۔ اپنے اس شوق تصنیف و تالیف میں میں نے سینکڑوں شعرائے ماضی و حال اُردو، فارسی کے دیوان، بیسیوں تذکرے، صدہا بیاضیں اُلٹ پلٹ ڈالیں، کتب تواریخ و رسائل، صنائع بدائع شعری کی بھی ورق گردانی کی۔ مختلف جلسے دیکھے، بڑے بڑے شعرائے کمال کی صحبتوں سے مستفید ہوا، جس کا کلام دل کو بھلا معلوم ہوا، اپنی بیاض میں درج کر لیا۔ آخر کو اس انتخاب نے کچھ اور ہی رنگ پیدا کیا۔'' ۱۷؎

اسی نوع کی ایک اور مثال پیش کر کے اپنی رائے کو مدلل بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ شاہ بہاء الدین بشیر اپنے تذکرہ ''نگارستان بشیر'' (مرقومہ ۱۸۷۷ء) میں رقم طراز ہیں:

> ''۔۔۔ شوق یہاں تک بڑھا کہ قریب دو تین سو دواوین متقدمین و متاخرین شعرائے گرامی، قلمی اور چھپے ہوئے فراہم ہو گئے اور انھی کے مطالعے میں اپنی حیات مستعار کے دن بسر کیے۔ ایک روز یہ خیال آیا کہ اگر ان میں سے کچھ کلام لے کر ایک کتاب جمع ہو تو بہت ہی دل چسپ ہو، پس اول تو یہ ارادہ تھا کہ پوری غزلیں کروں اور ایک ردیف کی ایک ایک جلد بناؤں پھر دیکھا کہ وہ تو بہت ہی ضخیم

۱۸؎(کذا) ہو جائیں گے۔ اب یہ قصد ہوا کہ صرف قطعات کا انتخاب لکھوں اور نگارستانِ بشیر اس کے علاوہ موجود ہے اور ہمیشہ متلاشی اس امر کا رہا ہوں کہ نئے شاعر کا کلام بہم پہنچاؤں۔ اس نظریے سے یہ فقرہ اس موقع پر لکھ دیا ہے کہ جس صاحب کلام کا دل چاہے بذریعہ پیڈ اپنا حال و مقال فقیر کے پاس روانہ فرمائیں۔ فقیر کا تکیہ اندرونِ شہر دہلی دروازہ واقعہ محلہ روشن پور، درگاہ مخدوم شاہ صدر جہاں صاحب ''مدرسہ میں ہے اور نام اس گم نام کا شاہ بہاء الدین عرف عبداللہ شاہ تخلص بشیر۔''۱۹؎

تذکرہ نگار ماقبل اور معاصر تذکروں اور کتابوں سے اکتساب کرتے رہے اس لیے کہ وہ اپنے گردوپیش سے بیگانہ نہیں تھے۔ ''ارمغانِ گوکل پرشاد'' (مرقومہ: ۱۸۷۸ء) میں گوکل پرشاد رسا نے میر سوز کے دیوان قلمی اور منشی بالمکند بے بصر کی مثنوی 'لختِ جگر' کو دیکھنے کا اشارہ کیا ہے۔۲۰؎ اہم بات یہ ہے کہ تذکرہ نگار موصوف نے ایک مقام پر اپنے ماخذ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ سید محمد حسین عوض کے بارے میں لکھتے ہوئے ''تذکرہ سراپا سخن'' مولف سید محسن علی (مرقومہ: ۱۸۵۲ء) سے استفادہ کیا ہے کہ عوض کا ایک شعر پرچہ 'صادق الاخبار' سے نقل کیا تھا۔ وہ شعر بحوالہ سراپا سخن نقل کیا ہے۔ گوکل پرشاد نے 'بحوالہ' کا ذکر کر کے تحقیق میں ماخذ کی نشاندہی کی کاوشوں کو آگے بڑھایا ہے۔۲۱؎

مشہور مستشرق ڈاکٹر اشپرنگر نے ''یادگار شعرا'' (مرقومہ: ۱۸۵۰ء) کی تیاری و ترتیب کے سلسلے میں جن تذکروں سے استفادہ کیا ان کا حوالہ بھی درج کیا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے میں یہ اُردو کا پہلا تذکرہ ہے جس میں ماخذ کا سراغ دیا گیا ہے۔ گو تحقیقی نقطۂ نظر سے تذکروں کے سلسلے میں ماخذ کی نشان دہی کا سلسلہ ڈاکٹر اشپرنگر سے شروع ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے یہ رواج نہ تھا بلکہ اکثر تذکرہ نگاروں نے تو ماخذ کا سراغ دینے سے بھی پرہیز کیا ہے۔۲۲؎ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی مذکورہ رائے سے صدفی صد اتفاق ممکن نہیں اس لیے انھوں نے اپنی ضخیم کتاب ''اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری'' میں جن تذکروں کا ذکر کیا ہے ان میں سے بعض تذکروں میں بھی تلاش و حقیقت اور اصل ماخذ تک رسائی کی صورتیں محدود سہی، ملتی ضرور ہیں۔ اس مضمون میں انھی پہلوؤں اور زاویوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور منتخب مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے خود اپنی کتاب میں ابوالحسن امر الدین احمد امر اللہ کے تذکرہ ''مسرت افزا'' سے ایک مثال پیش کی گئی ہے۔ جس میں امر اللہ تذکرہ ''گلزار ابراہیم'' (مرقومہ: ۱۷۸۳ء) کے مولف علی ابراہیم خلیل کی تحقیقی کاوشوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

''۔۔۔ مدتیست کہ درپے تالیف تذکرہ شعرائے متقدمین و متاخرین کمر سعی برمیان بستہ و تذکرہ محافل الشعرا نامش نہادہ، لیکن بلند حوصلگی طبع رسائے و لے قانع برماحاصل آغازش بہ انجام نہ رسیدہ و بندایش صورت اختتام نہ پذیرفتہ۔''۲۳؎

یہ مثال علی ابراہیم خلیل کے حوصلے، صبر اور برداشت کی عمدہ مثال ہے۔ جن کی موجودگی تحقیقی امور انجام دینے والوں کے ہاں از بس ضروری ہے۔ اس سے یہ امر بھی متبادر ہوتا ہے کہ علی ابراہیم خلیل شعرا کے درست حالات جمع کرنے کے خاطر کس درجہ محنت کر رہے تھے۔ وہ خود ان مقامات پر پہنچے۔ جہاں جہاں انھیں درست معلومات ملنے کی امید تھی۔ یہ پہلو علی ابراہیم خلیل کے حقیقی مزاج کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر اشپرنگر سے پہلے کئی اہم مصنفین تذکرے لکھ چکے تھے۔ ان میں سے بعض تذکرہ نگار آج کے مسلمہ تحقیقی اُصولوں کے پیروی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

- ☆ مواد کی جمع آوری کے لیے ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا۔
- ☆ درست حالات وکوائف معلوم کرنا اور جز وتذکرہ بنانا۔
- ☆ اعتدال اور انصاف کی راہ اختیار کرنا۔
- ☆ ماخذ کی نشاندہی کرنا۔
- ☆ تلاش وتفحص کے مختلف ذرائع کو بروئے عمل لانا۔
- ☆ بنیادی مواد کے حصول کی کوشش کرنا۔
- ☆ مراسلت سے کام لینا۔

تذکرہ نگاری سے غیر ملکیوں کی دل چسپی نے مقامی تذکرہ نگاروں کو نئے راستوں اور نئے ضابطوں سے ضرور متعارف کرایا تاہم بعض مقامی تذکرہ نگار پہلے ہی ان ضابطوں کی کم وبیش پابندی کر رہے تھے۔ بیاض تیار کرتے ہوئے وہ شاعروں کے حالات اور ماخذ نوٹ کرلیا کرتے تھے اور یہ اہتمام بالعموم اُنیسویں صدی کے تذکروں میں زیادہ اُبھر کر سامنے آیا ہے۔ شعرا کے نام تخلص، تلمذ، توطن، تعلیم وتربیت، خاندانی پس منظر، ذریعۂ معاش، وفات اور دیگر نمایاں خوبیوں کا بیان ان تذکروں میں ملتا ہے۔

یہ بجا کہ تذکروں میں اکثر شعرا کا ذکر کما حقہٗ نہیں ملتا۔ اس کا بڑا سبب اس دور کے معروضی حالات اور مسائل تھے لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا ہوگا کہ تذکرہ نگار تحقیقی مقالے نہیں لکھ رہے تھے، نہ ہمیں ان سے اس نوع کی توقع رکھنی چاہیے۔ تذکروں میں تحقیقی ضابطوں کی تلاش کو آج کے ترقی یافتہ دور کے بجائے متعلقہ عہد کے تناظر میں دیکھا جائے، جس عہد میں وہ تذکرے لکھے گئے تو بعض تذکرہ نگار تحقیقی اُصولوں کی روشنی میں ایک قابلِ رشک مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ تذکرہ نگاروں کے ہاں اجمال واختصار کے زاویے نمایاں ہیں۔ انھوں نے بعض شاعروں کے احوال بیان کیے ہیں مگر سالِ ولادت وتاریخ وفات کا اہتمام کم ملتا ہے۔ البتہ تذکروں میں حافظ محمود شیرانی کے بقول ”ایسے امور موجود ہیں جن سے ان کے زمانوں

کے متعلق غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا''۲۴؎ اور یہی بات ان تذکروں کی افادیت اور اہمیت کو اُجاگر کرتی ہے۔ تذکروں کے امتزاجی عناصر میں سے تحقیقی عنصر اہم تر ہے۔

حواشی:

۱؎ قائم چاند پوری: تذکرہ مخزن نکات، مرتبہ: ڈاکٹر اقتدا احسن، مجلس ترقی ادب، لاہور: طبع اول، ۱۹۶۶ء، ص ۲۰۔۲۱۔

۲؎ ایضاً ص ۱۷۴۔

۳؎ ایضاً ص ۱۷۴۔

۴؎ ایضاً ص ۱۷۱۔

۵؎ قدرت اللہ شوق: تذکرہ طبقات الشعرا، مرتبہ: نثار احمد فاروقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول، ۱۹۶۸ء، ص ۲۲۱ا

۶؎ ایضاً ص ۲۵۰۔

۷؎ ایضاً ص ۳۳۳۔

۸؎ ایضاً ص ۳۰۷۔

۹؎ ایضاً ص ۳۸۶۔

۱۰؎ ایضاً ص ۴۱۴۔

۱۱؎ امر اللہ، ابوالحسن امیر الدین احمد: تذکرہ مسرت افزا: مرتبہ عطا کاکوی، عظیم الشان، بک ڈپو، پٹنہ: ۱۹۶۸ء، بحوالہ، اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، مجلس ترقی ادب، لاہور: طبع اول، ۱۹۷۲ء، ص ۱۸۴۔

۱۲؎ سعادت خاں ناصر: تذکرہ خوش معرکہ زیبا مرتبہ: مشفق خواجہ، مجلس ترقی ادب، لاہور: طبع اول، ۱۹۷۰ء۔

۱۳؎ مرزا قادر بخش صابر دہلوی: تذکرۂ گلستانِ سخن، جلد اول، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۱۴؎ ایضاً ص ۱۷۴۔

۱۵؎ ایضاً ص ۱۳۱۱۔

۱۶؎ محمد عبدالحیٔ صفا: تذکرہ شمیم سخن، حصہ اول، ۱۸۷۲ء، بحوالہ اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۸۷۔۴۸۶۔

۱۷؎ یہ تذکرہ قطعات پر مشتمل ہے۔

۱۸؎ دہلوی شاہ بہاء الدین بشیر: زخیم کی بجائے ضخیم لکھنا چاہتے تھے، یہی منشائے مصنف معلوم ہوتا ہے۔

۱۹؎ دہلوی شاہ بہاء الدین بشیر: تذکرۂ نگارستانِ بشیر، دیباچہ بحوالہ: اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۲۶۔۵۲۵۔

۲۰؎ پرشاد گوکل رسا: ارمغان گوکل پرشاد، ن نمبر ۴۹، بحوالہ: اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۵۸۵۔

۲۲۔ اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، ص ۱۷۳۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۷۹۔

۲۴۔ حافظ محمود شیرانی: مقالاتِ محمود شیرانی، جلد سوم، مرتبہ: ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، مجلس ترقی ادب، لاہور: طبع اول ۱۹۶۹ء، ص ۱۵۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ ابوالحسن، امیر الدین احمد: ۱۹۶۸ء، مرتبہ عطا کاکوی، ''تذکرہ مسرت افزا''، عظیم الشان بک ڈپو، پٹنہ۔

۲۔ چاند پوری، قائم: ۱۹۶۶ء، مرتبہ ڈاکٹر اقتدا حسن، ''تذکرہ مخزن نکات''، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۳۔ دہلوی، صابر، قادر بخش، مرزا: ۱۹۷۲ء، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، ''تذکرہ گلستانِ سخن''، جلد اوّل، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۴۔ شوق قدرت اللہ: ۱۹۶۸ء، مرتبہ: نثار احمد فاروقی، ''تذکرہ طبقات الشعرا''، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۵۔ شیرانی، حافظ محمود: ۱۹۶۹ء، مرتبہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، ''مقالاتِ محمود شیرانی''، جلد سوم، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۶۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر: ۱۹۷۲ء، ''اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری''، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۷۔ ناصر، خاں، سعادت: ۱۹۷۰ء، مرتبہ: مشفق خواجہ، ''تذکرہ خوش معرکہ زیبا''، مجلس ترقی ادب، لاہور۔